ادیان ثلاثہ اور مذہبی رواداری

محمد عامر

رواداری کی تعریف:

تعریف، لغوی معنی:

لفظ رواداری کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس لفظ کے لغوی معنی کو سمجھا جائے۔لغوی معنی کے لیے ہم لغات کے درج ذیل حوالوں سے رجوع کرتے ہیں۔

رواداری کے معنی " (مؤنث) کسی بات کو جائز رکھنا۔رعایت ۔(۱)

لغت کے اعتبار سے لفظ رواداری کے معنی ہیں کسی فعل کا دوسرے کی رعایت سے جائز رکھنا۔(۲)

رواداری ایک مرکب لفظ ہے۔اس کا پہلا حصہ " روا " کے معنی ہیں جائز ، مناسب ، جاری۔

اور دوسرا حصہ " داری " اس کا مطلب ہے " ملحوظ رکھنا " دونوں الفاظ کا مرکب معنی یہ ہوگا۔ پاس ، لحاظ ، رعایت۔(۳)۔

رواداری کا لفظ تحمل اور برداشت کے حوالے سے بھی معاشرے میں استعمال ہوتا ہے۔کیونکہ رواداری کی روح رواں تحمل اور برداشت ہی ہے۔

" برداشت کا لفظ فارسی سے مشتق ہے۔یہ لفظ " بر " اور " داشت " کا مرکب ہے۔" بر " کا مطلب بوجھ اور " داشت " کا مطلب رکھنا ہے۔برداشت کا لغوی مفہوم کسی بوجھ کو سنبھالنا ہوگا "۔(۴)۔

اس لفظ کے لیے عربی میں " تحمل " اور " تسامح " اور انگلش میں " Tolerance " کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادی کے عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے اس مفہوم کو " Eencyclopedia of britnica " اس طرح بیان کرتا ہے۔

Intellectuall and practical acknowledgement of the right of others to live in "
accorcance with religious beliefs that are not accepted as ones own "
(5).

لغات کی روشنی میں رواداری کے جو معنی سامنے آئے ہیں ان کا لب لباب یہ ہے کہ تحمل سے کام لینا ، رعایت سے کام لیتے ہوئے دوسروں کا خیال رکھنا۔

رواداری کا اصطلاحی مفہوم:

رواداری کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ:

جن افراد کے نظریات وعقائد ہمارے نزدیک درست نہیں ہیں۔ہم ان عقائد اور اصحاب عقائد کو پورے شرح صدر اور کھلے دل سے برداشت کریں۔یعنی اپنے آپ کو عدم برداشت کے حامل تباہ کن رجحانات سے محفوظ رکھیں۔ان کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے ہوئے اس انداز سے تبصرہ اور تنقید کریں جو ان کے لیے تکلیف دہ نہ ہو اور ان کی ذہنی اور فکری اذیت کا باعث نہ بنے۔ایسے ہی ان کو ان عقائد سے باز رکھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے سے انہیں جبراً نہ روکا جائے۔اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں جبراً مداخلت کی جائے (٦)۔

انسان مدنی الطبع ہے وہ دوسرے انسانوں سے کٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔انسانی اجتماع کے بغیر وہ تمدنی زندگی کو ارتقاء سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔لہٰذا معاشرت پسندی ، اجتماع انسان کی ضرورت ہے۔تو ایسے انسانوں کو معاشرتی زندگی میں رواداری اختیار کرنا ضروری ہے۔کیونکہ معاشرہ گوناں گوں نظریات اور مختلف استعداد کے حامل افراد سے تشکیل پذیر ہوتا ہے۔اور ہر انسان مختلف فہم وفکر وتدبیر اور صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ایک انسان اگر فکر کرتا ہے ،غور وتدبر کرتا ہے اس کے ان افکار یا اس کے حق ، تفکر ، تدبر اور اظہار کو سلب کرنے کی کوئی فرد کوشش کرتا ہے۔تو یہ اس فرد کے پیدائشی اور فطری حق کو ضائع کرنے کی کوشش ہے۔ایسے میں صرف یہ نہیں کہ جو حق اپنے لیے ثابت کررہے ہیں وہ دوسرے کو نہیں دے رہے۔بلکہ اس کے پیدائشی حق کے ساتھ ساتھ یہ ایک سماجی جرم بھی ہے۔

بعض مفکرین کے ہاں سیکولرازم کی اصطلاح کے معنی بھی مذہبی رواداری کئے گئے ہیں۔سیکولر معاشرے میں کسی مذہب کے ساتھ کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔کیوں کہ سیکولر معاشرے میں مذاہب کو

انسان کاذاتی معاملہ سمجھا جاتا ہے۔اور مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کوناجائز قرار دیا جاتا ہے۔بقول ڈاکٹر زھر منیر:

"سیکولر کا مطلب ایسی ریاست ہے جو کسی کے مذہب یاعقیدے میں مداخلت نہ کرتی ہو۔اگر چہ یہ کسی مذہب یاعقیدے کے خلاف بھی نہیں ہوتی۔ملک کے تمام باشندوں کو ان کے عقیدے کے مطابق مذہبی رسوم ادا کی اجازت ہوتی ہے۔اور بلا امتیاز عقیدہ ومذہب اپنی مملکت کے تمام شہریوں کومساوی حقوق دیتی ہے(۷)۔

سیکولر ازم کورواداری سے تعبیر کرتے ہوئے اسلام کی مذہبی رواداری کے تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

"میرا موقف تویہ ہے کہ: سیکولرازم کاخدا کے احکام اور اس کے رسول کی لائی ہوئی مقدس کتاب سے کہیں کوئی تضاد، اختلاف یا تصادم نہیں۔سیکولر کسی پر اپنے نظریات ٹھونسنے کا قائل نہیں اور قرآن بھی " لا اکرہ فی الدین " اور " لکم دینکم ولی الدین " کا قائل ہے۔چنانچہ سیکولرازم کا قرآن سے کوئی تضاد یا اختلاف نہیں "۔(۸)۔

ڈاکٹر ازھر منیر سیکولرازم کورواداری سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی موجودہ تعبیر لا دینیت کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سیکولر کا مطلب ملحد، دھریہ اور بے دین نہیں۔اور سیکولر ازم کامفہوم الحاد، دھریت اور لادینیت نہیں۔ سیکولرازم مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ میں:

"اپنے عقیدے کو مت چھوڑ ودوسرے کے عقیدے کو مت چھڑو " مختصر طور پر کہا جائے تو سیکولرازم کامفہوم ہے۔" لکم دینکم ولی الدین " ۔

" تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔میں تمہارے عقیدے میں دخل نہیں دیتا تم میرے عقیدے میں دخل نہ دو " (۹)۔

مذہبی رواداری کا مفہوم:

انسانی معاشرے کے ارتقاء میں رواداری کا عنصر بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ایک رواداری پر مبنی معاشرہ تمدنی ، تہذیبی ترقی کے مراحل بہ آسانی طے کر سکتا ہے۔اگر معاشرہ باہم دست و گریبان ہو، اختلافات اور افتراقات کا گہوارہ ہو تو اس معاشرہ کا انجام انتہائی بھیانک ہوتا ہے۔" مذہبی لحاظ سے عدم رواداری کی دو مثالیں اور قسمیں ہیں۔ایک تو وہ مذاہب کے درمیان فرق اور علیحدگی سے پیدا ہوتی ہے۔اور دوسری کسی مذہب کے مختلف فرقوں میں دوری اور ناپسندیدگی کی وجہ سے پھیلتی اور بڑھتی ہے۔ان دونوں صورتوں میں تفریق ، علیحدگی اور دوری کی وجہ سے سچائی کا احساس ہوتا ہے۔ہر مذہب کے لوگ گمراہ ہیں۔ایک مرتبہ جب فرق قائم ہو جاتا ہے۔تو پھر اپنا اور دوسروں کا علیحدہ سے ایک امیج رہتا ہے۔یہاں تک کہ اپنے علاوہ دوسرے سب دشمن بن جاتے ہیں۔پھر انہیں مارنا ، ختم کرنا، کمزور کرنا اپنی بقاء کے لیے لازمی قرار پاتا ہے۔(۱۰)۔

انسان زندگی میں چونکہ مذہب کا کردار اہم رہا ہے۔لہٰذا معاشرتی اعتبار سے اس کی حساسیت دیگر شعبہ جات کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ مذہبی منافرت ، گروہیت ، فرقہ واریت کی بنیاد پر جتنا انسانیت کا قتل عام ہوا ہے۔شاید ہی کسی اور تنازعہ میں ہوا ہے۔

بقول ڈاکٹر مبارک علی :

"تاریخ میں مذہبی جنونیت اور اپنے عقیدے کی سچائی پر مکمل ایمان بہت سے معاشروں میں رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے مومن اور کافر ، موحد اور شرک کے درمیان تقسیم کو جائز قرار دیا جاتا رہا ہے۔ایک دفعہ جب کسی کو اپنے عقیدے کی سچائی پر ایمان ہو جاتا ہے۔تو اس صورت میں وہ دوسرے لوگوں کو گمراہ اور فاسق سمجھتا ہے۔اور انہیں ثقافتی اور سماجی طور پر اپنے دائرے سے نکال کر دور کر دیتا ہے۔اس طرح اس کے زاویہ نگاہ میں ان لوگوں کا درجہ بحیثیت انسان کے بھی گھٹ جاتا ہے۔اس لیے ایک طرف یہ کوشش ہوتی ہے۔کہ انہیں تبلیغ کے ذریعے یا تشدد کے ذریعے اپنی سچائی لانے پر مجبور کرے۔اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو اس صورت میں ان پر تشدد ، اذیت ، اور سختی کر کے انہیں ذلیل وخوار کریں" (۱۱)۔

مذہب کی جڑیں معاشرہ میں تہہ در تہہ ہوتی ہیں۔معاشرہ کے اندر اجتماعیت کے فروغ کے لیے مختلف مذاہب اور کسی ایک مذہب کے اندر وحدت ، یگانگت اور رواداری کا ماحول پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔مذہبی رواداری سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کے عقیدے ، مذہب اور احساسات کا احترام کیا جائے تحمل برداشت اور وسعت نظری سے دیگر مسالک ، مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ معاملات کی انجام دہی ہو فرقہ وارانہ ہم

آہنگی اور رواداری کاماحول پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عقائد وخیالات ، افکار کودوسروں پر مسلط نہ کیا جائے زبردستی دوسروں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کی سعی نہ ہو۔دوسروں کے عقائد ونظریات پر علمی تنقید اس انداز سے ہو کہ وہ اختلاف رائے سے آگے عداوت میں نہ تبدیل ہوجائے۔ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں ، معبودوں کوبرا بھلا نہ کہاجائے۔ایک دوسرے کی مذہبی مقدس کتابوں کی تحقیر نہ ہو ان کااحترام کیاجائے۔ایک دوسرے کی مذہبی عبادت گاہوں کے تقدس کاخیال رکھا جائے۔ہر شخص کوکسی بھی عقیدے، مذہب ، اور فکر کو اختیار کرنے میں آزادی حاصل ہو۔مذہب کے نام قتل غارت گری، اور بنیادی انسانی حقوق معطل نہ ہوں۔انسانیت کا احترام ہو، ہرفرد میں معاشرہ کی خدمت کاجذبہ موجود ہوچاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقہ ، مسلک ، مذہب سے ہو۔

ہرمذہب چونکہ انسانیت کی بھلائی کے لیے ہے اس کی بنیادی تعلیمات انسانی اخلاق وکردار کی بلندی کے لیے ہیں۔لہٰذا مذہب کے پیروکاروں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مذہب کی بنیادی اخلاقیات کومدنظر رکھتے ہوئے کل انسانی معاشرے کی کامیابی اعلیٰ کردار واقدار کے لیے کام کریں اور معاشرہ انسانی کے اندر وہ عوامل اور منکرات جن کی وجہ سے انسان جبر وظلم کاشکار ہوں یا دیگر اخلاق رکاوٹوں کا تدارک کریں اور بحیثیت مجموعی انسانی معاشرہ کی دنیاوی اور اخروی نجات کاباعث بنیں۔

رواداری کے معاشرتی نتائج:

رواداری کی مذکورہ تعریف اور بحث پر اگر غور کیاجائے توچند نکات نتائج کے طور پر سامنے آتے ہیں:

۱)...انسان کی اجتماعیت پسندی کی وجہ سے اجتماع انسانی اور معاشرہ انسانی میں تمام انسانوں پر ایک پر دوسرے کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

۲)...غور ، فکر وتدبر ہر انسان کابنیادی حق ہے اور اس تدبر کے نتائج انسانی معاشرے تک پہنچانے میں آزاد ہے۔

۳)...کسی انسان کاایسا عمل جو دوسرے انسان کی فکر پر قدغن لگائے اس کی آزادی اظہار کاموقع نہ دیا جائے۔تو یہ اس کے فطری حق کوسلب کرنے کی مذموم حرکت ہے۔

۴)آزادی اظہار رائے کے حوالے سے رواداری فرداور معاشرے دونوں کابنیادی اور فطری حق ہے۔

۵)معاشرے کے فطری اور تمدنی ارتقاء کا راز اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کے علوم وافکار ، خیالات وتصورات کی آزادی ہوتا کہ معاشرہ اخلاقی ، تہذیبی ، نفسیاتی ، سیاسی ، سماجی اور اقتصادی حوالے سے شعوری بنیادوں پر استوار ہوکر ترقی اور کمال سے ہمکنار ہوسکے۔

کسی فرد، قوم یا معاشرے کا اپنے ماحول میں موجود دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں رویہ اور طرز عمل ، اُن کے ساتھ سلوک ، اُن کی جان ، مال ، عصمت ، آبرو کو تحفظ ، عدل وانصاف ، روزگار اور سماجی ترقی کے مواقع مہیا کرنا اور خصوصاً اکثریتی مذہب میں ضم کرنے کی کوئی جبری کوشش نہ کرنا یہ وہ معیار ہے جس پر رواداری کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے مذہبی آزادی اور رواداری کو کس نقطہ نظر سے دیکھا ہے اور کتنی اہمیت دی ہے وہ آگے ملاحظہ کریں۔

مذہبی راواداری قرآن حکیم کی روشنی میں:

دوسری فصل:

خدائی رحمت کا مخلوق کے ساتھ تعلق اور قرآن حکیم:

قرآن حکیم خدا کے بے پایاں رحمتوں کو بیان کرتا ہے۔ تاکہ انسان خالق کائنات کی ان رحمتوں اور برکتوں کے بشکر کے طور پر مخلوق خدا سے اسی طرح کی بے پایاں محبت اور رحم کرے۔ خالق کائنات کی منشاء یہ ہے کہ انسانوں کے اخلاقیات ایسے اعلیٰ ہوں کہ معاشرے میں رحمت اور محبت عام ہوجائے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو۔ لہٰذا قرآن حکیم بار بار خالق کی رحمت کا تذکرہ کرتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے حد درجہ رحیم وکریم ہے۔ لہٰذا معاشرے میں بکھرے ہوئے انسانوں میں محبت اور ہمدردی کو عام کرو۔ چاہے وہ کسی بھی نسل ، گروہ یا مذہب سے ہوں۔ کیونکہ خدا کی محبت بھی سب کے لیے اتنی ہی عام ہے قرآن کی درج ذیل آیات اسی رحمت وکرم کی آئینہ دار ہیں۔ جو انسانوں کو رحم وکرم کے اخلاقیات کی دعوت عام ہیں۔

"ھو الغفور الودود" (۱۲)۔ ترجمہ: اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

"وربک الغنی ذو الرحمتہ "(۱۳)۔ ترجمہ:...اور (اے نبی) تیرا پروردگار بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

مذکورہ آیات خالق کی بے پایاں رحمتوں کا اظہار کرتی ہیں۔ اب کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ معاشرے میں اگر ایسے افراد وجود ہوں جو دوسروں سے بغض وعناد پیدا کریں۔ نفرتیں ، عداوتیں اور تعصب پھلائیں اور مخلوق کے لیے ان کے دلوں میں رحم کا مادہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرلے؟ گویا یہ حقیقت واضح ہوئی ہے۔

کہ خدا کی مخلوق پر رحم نہ کرنے والا اس رحیم وکریم ذات کی رحمتوں سے محروم ہوجاتا ہے بلکہ اس کے غضب کا شکار ہوتا ہے۔

تیسری فصل:

قرآن کا تصور اخوت اسلامی رواداری کی طرف ایک قدم:

قرآن حکیم اپنے پیروکاروں کی سب سے پہلے رواداری کے حوالے سے تربیت کرتا ہے۔ تاکہ وہ آپس میں متحد اور بھائی چارے کی فضاء میں رہ کر اس خلق کو اپنے اندر اتنی وسعت دیں تاکہ آگے چل کر پورے معاشرے کے اندر اخوت کی فضاء قائم کرسکیں۔ یہ فطری پہلو ہے کہ اگر کسی جماعت کے اپنے اندر رواداری برت سکتے ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم سب سے پہلے مرحلے میں مسلمانوں کو اخوت اور رواداری کا سبق ان الفاظ میں دیتا ہے۔

"یاایھا الذین آمنو تقوللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون وعتصمو بحبل للہ جمیعا ولا تفرقو وذکر نعمۃ للہ علیکم ان کنتم اعداء فالفا بین قلوبکم فاصبحتم بعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من لنار فانقدکم منھا کذالک یبین للہ آسیا تہ لعلکم " (۱۴)

"اے وہ لوگو ! جو ایمان لائے ہو (اللہ کے ساتھ اپنے فرائض) کا پورا پورا خیال رکھو اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔ تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں جدا نہ ہو۔ اپنے اوپر اللہ کی مہربانی کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں کو جوڑا اور تم سب بھائی بھائی ہوگئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے اس نے تم کو اس سے بچایا۔ اس طرح اللہ تم کو اپنی آیات کھول کر بتا رہتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

چوتھی فصل:

عقیدہ اور ایمان میں جبر کی ممانعت:

قرآن پاک اسلامی تعلیمات کا ماخذ اور منبع ہے یہ تمام الہامی صحائف کا آخری وجامع مجموعہ ہے جس میں اس نے تمام انبیاء کرام اور ان کے الہامی کتابوں کی تصدیق کی ہے اور انسانیت کے اگلے دور بین الاقوامیت کے لیے ایسے فطری اور جامع اصول دیے جو گذشتہ انبیاء کی تعلیمات کا تسلسل ہیں ان کی روسے حالات وزمانے

کے تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ فکر پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم اے انسانو ! کہہ کہ کل انسانیت کو مخاطب کرتا ہے قرآن کاموضوع انسان ہے اور بلا رنگ نسل ومذہب اس کے مخاطب تمام انسان ہیں۔ قرآن حکیم کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے عقل والوں کے لیے فکر تدبر کی دعوت کوعام کرتا ہے اور اس کامقصد ومنشاء انسانیت کووحدت میں پروکران کے فکری وطبعی ارتقاء کوجاری وساری رکھنا ہے۔

بقول ممتاز اسکالر رئیس احمد جعفری ندوی کہ :

" قرآن حکیم کاجتنا غائر مطالعہ کیاجائے گا۔ اتنی ہی یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی کہ اسلام صرف انہام اور فہیم کا قائل ہے وہ دل جیتنا چاہتا ہے سر اور زبان نہیں " (۱۵)۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ دنیائے انسانیت کے مذہبی صحائف میں قرآن واحد مقدس صحیفہ ہے جو واشگاف انداز میں دنیا کوفکر ونظر کی آزادی کی نوید سناتا ہے اور ہرطرح کے جبر کی نفی کرتا ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

" **لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی** " (۱۶)۔

ترجمہ:۔ دین قبول کرنے میں کوئی جبر واکراہ نہیں بے شک جدا ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قسم کی جبر اور زبردستی چاہے وہ نفسیاتی ہو، سماجی ہو، اقتصادی یا سیاسی ہو، یا جسمانی نوعیت کی ہو دین اور مذہب کے معاملے میں جائز نہیں۔ آزادی مذہب ، آزادی اظہار رائے ، آزادی ضمیر ، اور آزادی اعتقاد قرآن کی نظر میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن حکیم برملا یہ اعلان کرتا ہے کہ ہر ایک کی خود ارادیت ، مذہبی حقوق محفوظ ہیں۔

نظریات اور عقائد کے اختلاف کی بناپر انسانوں کے عام معاشرتی اور انسانی حقوق سے روگردانی نہیں کی جاسکتی بلکہ ان کے بنیادی حقوق کے تحت یہ حق دیا جارہا ہے کہ مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کواُن کے بنیادی حقوق میں شامل کرلیا جائے تاکہ ناقص فہم اور کوتاہ اندیش لوگ مذہبی اختلا ف اور اعتقا دات کے اختلا فات کے وجہ سے ایک دوسرے بنیا دی حقوق سلب کرنے کا باعث نہ بن سکیں لہذا اسی وجہ سے قرآن حکیم کو یہ اعلا ن کرنا پڑا کہ دین کے معاملے میں کو ئی جبر نہیں۔ تفسیر جلالین میں مذکو رہ آیت کے ایک حصے پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے

" ظھر با الا یا ت البینا ت ان لا یمان رشد

(یعنی آیات بینات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایمان :

" رشد " (ھدایت)

اور کفر " غی " (گمراہی) (17) ۔

گویا تفسیر جلالین کے اس نقطہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ رواداری کی اساس یہ ہے کہ چونکہ حق اور باطل میں جداگانہ اور متمائز صورت اختیار کر لی ہے۔ اب جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سوائے افہام و تفہیم کے راستے سے۔

یہ آیت کریمہ جامع انداز سے آزادی اعتقاد ثابت کرتی ہے اسے بنیادی سماجی حق قرار دیتی ہے اور دوسری جانب آزادی اعتقاد کے تناظر میں سماجی، تہذیبی، ثقافتی اور ذہنی ارتقاء کا راستہ کھول دیتی ہے تاکہ آزادانہ بحث و مباحثہ افہام و تفہیم کی صورتیں پیدا ہو سکیں اور تبدیلی اعتقادی و مذہب، جبر زبردستی کے بجائے وشعور کی بنیاد پر ہو تاکہ انسانی زندگی میں حقیقی افکار ارتقاء پزیر ہو سکیں اور معاشرے کی تمدنی ترقی میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے۔

قرآن حکیم کے اس تصور رواداری پر اظہار خیال کرتے ہوئے عرب کے عظیم مذہبی اسکالر ڈاکٹر وھبہ زحیلی (جو دمشق یونیورسٹی کے شعبہ فقہ اسلامی ہیں) نے اپنی کتاب تفسیر المیز میں لکھا ہے۔

" لا تکرهو احدا علی الدخول فی الاسلام فان دلائل صحته لا تحتاج بعدها الی اکراه ولان الایمان یقوم علی الاقتناع والحجة والبرهان فلا یفید فیه الالجاء او القسر او الالزام والاکراه کقوله تعالی افانت تکره الناس حتی یکونوا مومنین "(18) ۔

ترجمہ: ... اور کسی کو بھی اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو اس لئے کہ اسلام کی صحت کے دلائل کی وضاحت کے بعد جبر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور دوم اس لئے کہ ایمان کی اساس دلی اطمینان اور قناعت ہے، دلیل اور استدلال ہیں تو اس میں جبر زبردستی، سینہ زوری کا کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ واضح ارشاد خداوندی ہے پھر کیا تم ان لوگوں کو مجبور کر دوگے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

مولانا موصوف نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام کی اساسی تعلیمات میں صرف یہ کہ آزادی مذہب کو جائز سمجھا گیا ہے بلکہ مسلمانوں کو منع کر دیا کہ دین کے معاملے میں کسی کے ساتھ جبر کا سلوک روا نہ رکھیں۔ مزید برآں کہ موصوف نے واضح کر دیا ہے کہ اسلام اور زبر دستی کے اصول کے تحت آگے بڑھایا بھی نہیں جا سکتا۔ اس لئے اسلام کی اصل اصول جو ہے وہ ایمان اور وجدانی قبول ہے اور کسی کو کوئی بات اور موقف وجدانی طور پر قبول کرانا جبر اور الزام کا معاملہ نہیں وہاں استدلال، طاقت حجت، قوت دلیل اور بہتر انداز بیاں کی حکومت چلتی ہے اس لئے اسلام نے روز اول سے وجدانی معاملات سے جبر اور تشدد کے عنصر کی نفی کی ہے۔ اس آیت کریمہ پر مزید تفصیل کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں۔

هذا لا ية قا عد ه من قواعد الا سلام الكبرى وركن عظيم من اركان سيا سة ومنها فهو لا يجيز اكراه احد على الدحول فيه ولا يسمح لا حد ان يكره احد ا من اهله على الخروج منه" (19)

اور یہ آیت دین اسلام کے عظیم اصول وقواعد میں سے ایک اصول اور قاعدہ ہے اور اسلامی سیاست کے عظیم ارکان میں سے ایک رکن اور اصول حیات۔

سو اسلام نہ کسی شخص کو یہ اجازت دیتا ہے کہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرے اور نہ ہی کسی کو یہ موقع دیتا ہے کہ کسی کو جبراً دین اسلام سے نکالنے کی کوشش کرے مزید لکھتے ہیں:

وهذا يكون اذا كنا اصحاب قوه ومنعة نحمى بها ديننا وانفسنا ممن يحاول فتنتنا فى ديننا . ويكون الجها د ضد السلطة البا غية امر أ اضطر ارياً حرية الدعوة وامن الفتنه، وتترك قضية التدين اواعتناق الا سلام المجال الفردي اوالشعبى للمجادلة بالتى هى احسن . وللا قناع بالحجة والبرهان (٢٠)۔

ترجمہ:۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم صاحب قوت ہوں اور اپنے تحفظ کے اہل ہوں تم ہم اپنی قوت سے اپنی جان اور مذہبی آزادی کا تحفظ کریں گے۔ ان لوگوں سے جو جبراً ہمیں اپنے نظریات سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور جہاد بھی باغی طاقت کے خلاف ایک اضطراری امر ہے تاکہ تبلیغ دین اور مذہبی آزادی کے مواقع محفوظ رہیں۔ البتہ قبول مذہب کا سوال یا اسلام میں داخل ہونے کا سوال شخصی، جماعتی اور قومی زندگی کی سطح پر آزادانہ بحث خوش اسلوبی کے ساتھ اطمینان بادلیل استدلال کی اساس پر ہوگا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں موصوف نے ببانگ دہل یہ حقیقت واشگاف کردی کہ اسلامی نقطہ نظر تبدیلی مذہب کے متعلق قرآن پاک کی مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ ہے کہ تبدیلی مذہب چاہے شخصی

دائرے میں ہو ، جماعتی دائرے میں ہو یا من حیث القوم ہو، اس کی اساس آزادانہ بحث ومباحثہ ، واضح افہام تفہیم ، قوت دلیل ، استدلال ، طاقت ، خوش اسلوب طرز بیان ، دلی اطمینان ، وجدانی قناعت اور ظہور افادیت پر ہے اس میں جبر ، زبردستی طاقت کے استعمال ، سماجی دباؤ ، اقتصادی پریشر ، مالی حرص ولالچ کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔اسلام کے تناظر میں جبری ایمان کا کوئی قانونی اور اصولی اعتبار نہیں ہے جبکہ حرص ولالچ اور اس طرح دیگر وقتی مفادات حاصل کرنے کے لیے اسلامی کارڈ استعمال کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے منافقت کے زمرے میں آتا ہے۔

ان دونوں کیفیتوں (جبر اور وقتی مفاد) کے برعکس اسلام کے تناظر میں تبدیلی مذہب میں بنیادی عنصر ، صداقت ، قناعت ، دلی اطمینان قوت استدلال ، دنیاوی اور اخروی نجات ، اجتماعی اور انفرادی مسائل کے تفصیل حل ، نفس انسانی ، اجتماعی انسانی اور کائنات کے متعلق صحیح اور طاقتور تصور ہونا چاہیے۔

قرآن حکیم کی " اکراہ " کے حوالے سے متعلق معروف دینی مفکر جناب مفتی محمد شفیع اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں۔

"اگر ذراغور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے، ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان مال وآبرو کی حفاظت کرنے کے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے ،بلکہ دفع فساد کے لیے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کوناپسند ہے جس کے درپے کافر رہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" ویسعون فی الارض فساد أ واللہ لا یحب المفسدین "

یہ لوگ زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کوپسند نہیں کرتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد اور قتال کے ذریعے سے ان لوگوں کے فساد کودور کرنے کا حکم دیا ہے ، پس ان لوگوں کا قتل ایسا ہی ہے جیسے سانپ بچھو اور دیگر موذی جانوروں کا قتل۔اسلام نے عورتوں ، بچوں ، بوڑھوں اور اپاہج وغیرہ کے قتل کوعین میدان جہاد میں بھی سختی سے روکا ہے۔کیونکہ وہ فساد کرنے پر قادر نہیں ہوتے ایسے ہی ان لوگوں سے بھی قتل کرنے سے روکا ہے جو جزیہ اداکرنے کاوعدہ کرکے قانون کے پابند ہوگئے ہوں۔اسلام کے اس طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد اور قتال سے لوگوں کوایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس سے وہ دنیا میں ظلم وستم مٹاکر عدل وانصاف اور امن وامان قائم رکھنا چاہتا ہے۔

حضرت عمر نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا " انا عجوز کبیرۃ والموت الی قریب " یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں " حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی۔ لا اکراہ فی الدین۔ یعنی دین میں زبردستی نہیں۔ درحقیقت ایمان کے قبول پر جبر و اکراہ ممکن بھی نہیں ہے اس لیے کہ ایمان کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں بلکہ قلب کے ساتھ ہے اور جبر واکراہ کا تعلق صرف ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے اور جہاد وقتال سے صرف ظاہری اعضاء ہی متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ ایمان کے قبول کرنے پر جبر ممکن ہی نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ آیات جہاد اور قتال آیت لااکراہ فی الدین کے معارض نہیں ہیں۔ مظہری، قرطبی ا۔" ۔(۲۱)۔

حضرت مفتی صاحب نے اسلام کے آزادی اعتقاد کے تصور کوواضح کرتے ہوئے چند باتیں بہت اہم بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً لا اکراہ فی الدین کی آیت کی آیات قتال سے کوئی تعارض نہیں ہے کہ اس لیے مذکورہ آیت اعتقاد کی آزادی کی علم بردار ہے کہ اعتقاد کے متعلق کسی شخص پر کسی قسم کے جبر اور زبردستی کوروا نہیں رکھاجائے گا۔ جبکہ آیات قتال دائرہ اعتقاد سے خارج ہیں بلکہ ان کا تعلق معاشرتی امن وفساد سے ہے مثلاً اسلام میں آزادی اعتقاد کی دلیل یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست کے تحت ایک غیر مسلم ریاست کے امن عامہ کے اصول کواختیار کرتے ہوئے تمام بنیادی حقوق، مذہبی آزادی کے تمام تقاضوں سے مستفید ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم چونکہ معاشرے میں مذہبی عقائد اور ایمانیات کے حوالے سے ہر طرح کے جبر کی نفی کرتا ہے اور انسانوں کو اپنی عقل وشعور کی بنیاد پر کسی بھی عقیدے اور فکر کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اپنی فکر کو استدلال سے پیش کرتا ہے۔ قرآن کی یہی آزادی وفکر ہے۔ جومعاشرے کے اندر رواداری کا ہمہ گیر ماحول قائم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ قرآن حکیم اپنے عقیدے کوسلامت رکھنے اور دوسرے کے عقیدے کو نہ چھیڑنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

ولا انا اعبدو ما عبدتم ولا انتم عبد ون ما اعبد لکم دینکم ولی دین ۔(۲۲)۔

ترجمہ:... اور نہ میں اس کی پرستش کروگا جس کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم اس کی پرستش کروگے جب کہ میں پرستش کرتا ہوں تم کوتمہارا دین مجھ کو میرا دین۔

قرآن حکیم اچھائی کی راہ اور برائی کی خرابیوں کو واضح طور پر بیان کر دیتا ہے۔اور ایک انسان کو اختیار دیتا ہے۔کہ وہ خوب غور وفکر کرے اور خود اپنے لیے راہ کا انتخاب کرے اگر وہ سچائی کی راہ کا انتخاب کرے گا۔تو اس کے نتائج اس کو اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ملیں گے۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

" فمن البصر فلنفسه ومن عمى فعليها وما آنا عليكم لحفيظ "۔(۲۳)۔

ترجمہ:... پھر جو دیکھتے تو اپنے لیے اور اندھا ہو جائے تو اس کا نقصان اس کی جان پر ہے اور میں تم لوگوں کا محافظ تو نہیں ہوں۔

قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔کسی پر زبردستی نہیں ہے کہ وہ کسی پر زبردستی اپنا نظریہ ٹھونسے۔جب ہر فرد اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے تو پھر جھگڑا کیسا؟ معاشرے میں اس بنیاد پر کسی قسم کا انتشار اور منافرت نہ ہوگی۔قرآن حکیم اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

" فلذالک فادع واستقم كما امرت ولا تتبع اهوا لئهم وقل امنت لما انزل الله من كتب وامرت لاعدل بينكم الله ربنا وربكم لنا اعمالنا ولكم اعمالكم لا حجته بيننا وبينكم الله يجميع بيننا واليه المصير۔(۲۴)۔

ترجمہ:... تو تو اسی کی طرف بلا تا رہ اور جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہ اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور کہہ دے جو کتاب خدا نے اتاری ہے میرا تو اس پر ایمان ہے۔اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے۔اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ہم اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں اللہ ہی ہم کو جمع کرے گا اور اس کی طرف جانا ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت محمد ﷺ کو دعوت دپہنچانے کے حوالے سے یہ حکم دیا کہ آپ کافروں کو بالجبر اسلام کے عقیدے کی طرف نہیں لاسکتے۔اور نہ ہی آپکو جابر بنایا گیا۔آپ تو دعوت دیجئے اور ان کو قرآن سمجھاتے رہیئے۔گویا قرآن حکیم آپ کو بالجبر عقیدے کی طرف لانے کا قطعی اختیار نہیں دیتا ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

" نحن اعلم بما يقولون وما عليهم بجبار تذكر بالقرآن من يخاف وعيد (۲۵)۔

ترجمہ:... یہ منکر جو کچھ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں تم ان پر (حاکم) جابر نہیں ہو۔ جو شخص ہمارے عذاب سے ڈرتا ہے۔ اس کو قرآن سنا کر سمجھاتے رہو۔

قرآن حکیم اپنی دعوت اسلام میں غیر مسلموں کے جذبات کا خیال رکھتا ہے۔ یعنی اگر وہ خوش دلی سے اسلام قبول کریں۔ تو ٹھیک ہے وگرنہ ان پر کسی قسم کی پابندی یا جبر نہیں۔ بلکہ ان کو امن وعافیت سے واپس کر دو۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

ان احرمن المشرکین استجارک فاخرہ فی یسمع کلامک اللہ ثم ابلعہ ما منہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون (۲۶)۔

ترجمہ:... اگر کوئی مجرم تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو، یہ (سلوک) اس لیے (کرنا ضروری) ہے کہ یہ (مشرک) نا واقف (لوگ) ہیں۔

قرآن حکیم پیغمبر اسلام کی فقط یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ کہ آپ نے صرف سچائی اور عدل وانصاف کی تعلیم پیش کر دینی ہے۔ اس کے علاوہ ان کو تسلیم کروانے یا قبول کرانے کے حوالے سے کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ کسی طریقے سے ان کو پابند کرلے کہ وہ ہر صورت میں اس دعوت کو ضرور قبول کریں۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

" **ما علی الرسول الالبلاغ واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون** "۔(۲۷)۔

ترجمہ:... پیغمبر صرف (ہمارے حکم) پہنچا دینے کا ذمہ دار ہے۔ (اور اے کافر اور مشرکو) اللہ تمہاری کھلی چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

قرآن حکیم جب اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ تو اس کی آزادی دیتا ہے کہ کوئی شخص اس دعوت کو قبول کرے یا رد کرے۔ گویا آزادی فکر اور رائے کی بھرپور آزادی ہے۔ نہ ماننے والے پر کوئی جبر یا زبردستی نہیں ہے۔

ارشاد قرآن حکیم ہے:

"قل الحق رمکم فمن شاء فلیوء نمن ومن شاء فلیکفر "۔(۲۸)۔

ترجمہ:... (ان سے) کہو کہ حق خدا کی طرف سے ہے۔جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی نہ چاہے نہ مانے اس حقیقت کی مزید وضاحت یہ آیت قرآنِ حکیم کرتی ہے۔

"قل اللہ عبد محلصا لہ دینی فاعبد و واعا شئتم من دونہ " ۔ (۲۹)۔

ترجمہ:... ان سے کہو کہ میں تو خدا ہی کی فرمانبرداری مد نظر رکھ کر اس کی عبادت کرتا ہوں۔تم اس کے سواء جس کو چاہے پوجو۔

پانچویں فصل:

قرآن پاک کی نظر میں اختلاف رائے اور رواداری:

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ آفاقی رہنمائی کا آسمانی صحیفہ ہے اور زمانہ وحالات اور خطے کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انسانیت کے فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔اس تناظر میں قرآن انسانی معاشرے کے ارتقاء کے لیے افکار وخیالات میں تنوع اور جدت کو ضروری سمجھتا ہے اور معاشرے کے بکھرے ہوئے خیالات وافکار کے تبادلہ اور اس پر بحث وتمحیص کو جاندار افکار کی نمو کے لیے ضروری قرار دیتا ہے اور ایسی صورتحال میں جہاں اختلاف رائے سامنے آئے توصبر ، برداشت اور علمی دلائل براہین سے اپنی بات پیش کرنے کی تلقین کرتا ہے اختلاف رائے کی صورت میں اختلاف برائے اختلاف اور تنقید برائے تنقید کوغلط قرار دیتا ہے۔قرآن حکیم اختلاف رائے ونظر کو فطرت انسانی اور تخلیق خداوندی قرار دے کر اسے معاشرتی ارتقاء کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

ادعو الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعضۃ الحسنۃ وجا دلھم بالتی ھي احسن "۔(۳۰)۔

ترجمہ:... اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند ونصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے مباحثہ کرو۔

اس آیت میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ عمدہ اخلاق، شائستگی، ضبط و تحمل سے پیش آؤ تاکہ مباحث کے دوران بدمزگی پیدا نہ ہو جو آگے چل کر بغض، نفرت، عداوت کاذریعہ نہ بنے۔ برصغیر کے ممتاز دینی اسکالر مولانا شبلی نعمانی اس قرآنی نقطۂ نظر کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

" بلکہ اس مسئلے کا اصلی فلسفہ بتا دیا گیا یعنی خدا نے انسانوں کی فطرت ہی ایسی بنائی کہ ان کی صورت، سیرت، خیال مذاق اور رائے میں اختلاف ہو۔ اس لیے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہوجائیں گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے۔

اس نقطے کو قرآن حکیم نے یو بیان فرمایا ہے:

ولو شاء ربک لجعل امة واحدة ولا یزالو ن مختلفین الا من رحم ربک ولذالک خلقهم ۔(ہود، ۱۱۸)۔

ترجمہ:... اور اگر خدا چاہتا توتمام آدمیوں کوایک ہی امت بناتا لیکن لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے بجزان کے جن پر تیرے خدا کا رحم ہو اور خدا نے اسی لیے ان لوگوں کو بنایا ہی ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اختلاف رائے واختلاف نظر انسانی فطرت میں ایک داخلی عنصر ہے اس کو فطرت انسانی سے نکالا نہیں جاسکتا۔ انسانی فطرت کی تخلیق کچھ اس طرح ہوئی کہ اس میں اختلاف شکل وشبہات کے ساتھ ساتھ اختلاف فکر ونظر کی بھی پیوندکاری ہوئی ہے اب بجائے اس کے کہ یہ سعی لاحاصل کی جائے کہ دنیا سے نہ مٹنے والی چیز (اختلاف رائے) کو مٹانے کی کوشش کی جائے بلکہ اختلاف رائے کو برداشت کرکے اس کی اساس استدلال پر رکھنی چاہیے۔

اس آیت کے ضمن میں خدائے پاک فرماتے ہیں کہ اسی اختلاف رائے ونظر کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے گویا انسان کے متعلق خدائی منصوبہ یہ ہے کہ ایک ایسی مخلوق ہو جو ایک خاص نہج میں قید وبند کی زندگی نہ گزارتی ہو بلکہ بیک وقت متعدد افعال، اعمال، آراء اور خیالات کا اظہار کرسکتی ہو۔ ایسے میں اگر دیکھا جائے تو قرآن پاک جملہ انسانوں کو ایک خاص نقطۂ نگاہ پر جمع کرنے کے بجائے متعدد نگاہ کے حاملین قرار دے رہا ہے کہ گویا سماجی ارتقاء خیالات وآراء میں وحدت کے بجائے تنوع میں پوشیدہ ہے۔ سماج متحرک بالغ اور شرقی اس وقت ہوسکتا ہے جب اس میں ہمیشہ اختلاف رائے نظر موجود ہو اس کی اساس آزادانہ بحث ومباحثہ اور آزادانہ استدلال کی کشمکش جاری ہو۔ کمزور نظریات خود اپنی طبعی کمزوری اور مخالفانہ استدلال کی طاقت سے قدم بہ قدم لہولہان ہوتے جائیں اور طاقتور نظریات استدلال کی قوت کی وجہ سے ...

میں سماج خود بخود متحرک ہوتا جائے گا اور کمزور نظریات کے حامل طبقات کے خلاف جنگ وجدل کے بجائے خود نظریات پر استدلال کو ہدف بناکر استدلال کی طاقت سے ضعیف اور کمزور نظریات کاصفایا کردیا جائے گا اور اعلیٰ وبرتر نظریات معروضی صداقت کے طور پر جلوہ گر ہوتے جائیں گے۔اور یوں بالآخر معاشرہ میں طاقتور نظریات کی حکمرانی آجائے گی ایک ضعیف کمزور اور موہوم نظریے کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ آزادانہ استدلال کی سکت نہ رکھنے کی وجہ سے سرے سے استدلال کاانکار کرجاتا ہے۔

لہٰذا قرآن پاک نے واضح طورپر اعلان کردیا کہ انسانی معاشرہ کی اساس اختلاف رائے اور نظر پر استوار ہے اس لیے اختلاف رائے سے راہ فرار کے بجائے اس کو برداشت کرکے استدلال کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے "۔(۳۱)۔

چھٹی فصل:

قرآن حکیم اوردیگراقوام کے مذہبی رہنماؤں ومقدس شخصیات کااحترام:

قرآن حکیم گذشتہ مذاہب کے بانیان ان کی مقدس کتب کی برملا تصدیق کرتا ہے۔قرآن حکیم کا مزاج یہ ہے کہ وہ کل انسانی دنیا میں حکما، صلحا، عقلاء اور انبیاء جنہوں نے انسانیت کو اعلیٰ اخلاقیات کی تعلیمات سے نوازا کوعزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

" انما انت منذرولکل قوم ماد "۔(۳۲)۔

ترجمہ:... تم صرف خبردار کردینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک راہ بتا دینے والا ہے۔

یہ آیت مبارکہ یہ بتاتی ہے کہ ہر قوم ملت میں ایک رہنما آیا جوحالات وزمانہ اور اس قوم کی نفسیات، مزاج اور ذہنی سطح کے مطابق ان کو راہ ہدایت پر بلا تارہا۔لہٰذا اس آیت میں مذاہب کے بانیان کی سچائی کی تعلیمات کااقرار ہوتا ہے کہ جو مذہبی راہنما ہیں انہوں نے صراط مستقیم اعلیٰ اخلاقیات کی طرف اقوام کی رہنمائی کی یہ شخصیات برگزیدہ شخصیات تھیں۔

دوسری جگہ قرآن حکیم اسی تصور کوبیان کرتا ہے :

" وان من امة الا خلافیها نذیر "۔(۳۳)۔

ترجمہ:... اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

فطرت کارساز نے دنیائے انسانیت کو بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔متعدد اقوام میں رہنمائی کے لیے خدانے اپنی طرف سے رسول اور انبیاء بھیجے ہیں۔

قرآنِ حکیم کافرمان ہے:

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلنا منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك (۳۴)۔

ترجمہ:... اور ہم نے تم سے پہلے بہت رسول بھیجے ان میں سے کچھ کے حالات ہم نے تم کوسنائے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے۔

مختلف اقوام کی رہنمائی وہدایت کے لیے خالق کائنات نے انبیاء کرام کومبعوث کیا ان میں یہودی، نصرانی ودیگر معلوم ونامعلوم مذاہب ہیں۔قرآن پاک ان انبیاء، حکماء کاتذکرہ موعظہ اور نصیحت اور خیر خواہی کے قانون کے تحت کرتا ہے۔لہٰذا کسی بھی قوم کی تاریخی نصیحت کوغلط الفاظ میں تذکرہ نہ کیا جائے اس لیے بہت حد تک امکان ہے کہ برگزیدہ خدائی شخصیت کے حق میں گستاخی ہوجائے اور اس کے پیروکاروں کی دل آزاری ہو اور معاشرہ میں فتنہ فساد کااندیشہ پیدا ہو لہٰذا رواداری کے ماحول کوبرقرار رکھنے کے لیے قرآن حکیم دیگر اقوام کی مذہبی شخصیات کوبرا بھلاکہنے سے اجتناب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہودیوں کے انبیاء عیسائیوں کے انبیاء دیگر حکماء کاتذکرہ بے حد شائستہ لب ولہجہ میں کیا ہے ان کی عظمت، وقار اور تقدس کا خیال رکھا ہے۔گویا قرآن حکیم نے یہ سمجھایا ہے کہ یہ جتنے بھی انبیاء، صلحاء تھے انہوں نے راست بازی، خدمت انسانیت اور خدائی تعلیمات کوعام کرنے کا فریضہ سرانجام دیا جس کو قرآن آگے بڑھارہاہے۔جس طرح قرآن اور نبی ﷺ کی عزت وتوقیر ضروری ہے اس طرح دیگر انبیاء کی عزت وتوقیر ضروری ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

ساتویں فصل:

دیگر اقوام کے معبودوں پر غیر اخلاقی تذکرہ اور قرآنی تعلیم:

قرآن حکیم جہاں دیگر پہلوؤں میں غیر مسلموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی تلقین اور ان کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے کی مذمت کرتا ہے وہاں وہ ان کے معبودوں، خداؤں کو برا بھلا کہنے ان کے لیے غیر اخلاقی الفاظ استعمال کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔یہ قرآن حکیم کی رواداری کی انتہائی اعلیٰ مثال ہے کہ نفرت

وعداوت ، تعصب سے ہٹ کر دوسروں کے خدائی تصورات تک کا خیال رکھنا۔اس طرح کی مثال کسی اور مذہب کی کتاب میں ملنا محال ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

" ولا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدو اً بغیر علم ۔(۳۵)۔

ترجمہ:... یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کیونکہ اس کے جواب میں نادانی کے ساتھ ناحق یہ خدا کو گالیاں دیں گے۔

اس آیتِ کریمہ میں نہایت دل آویز پیرایہ میں قرآن مجید نے یہ سمجھایا ہے کہ جو لوگ غلط خداؤں کے پیچھے پڑے ہیں جو فطرت کے خلاف نظریات کے حامل ہیں ان کے غلط خداؤں کو بھی غیر معیاری اور غیر اخلاقی انداز گفتگو سے ان کے پیروکاروں کے جذبات مشتعمل نہ کرو اگر چہ ان کے دلائل بالکل غلط بھی ہوں پھر بھی ان کو غیر معیاری اسلوب بیاں اور غیر اخلاقی انداز سے نہ پکارو۔اس یہ وضاحت ہوئی کہ اگر کوئی موقف غلط بھی ہو تو اس کی غلطی کی وضاحت دلائل اور استدلال کے میدان میں مخالف گروہ کے ہم وقت جذبات واحساسات کے تقاضون کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔یقینا قرآن کی یہ تعلیمات نہایت حوصلہ افزا ہیں جو معاشرے کو وسیع المشربی، وسعت نظری اور مذہبی رواداری کی اساس مہیا کرتی ہیں۔

آٹھویں فصل:

غیر مسلموں کے مذہبی مقامات مقدسہ کی حفاظت اور قرآنی حکم:

قرآن حکیم چونکہ انسانی معاشرے کو روح عدل سے ہمکنار کرکے ایسے ترقی دینا چاہتا ہے لہٰذا انسانی معاشرے میں جہاں گوناں گوں نظریات وافکار اور عقائد پھیلے ہوتے ہیں۔ایسے ماحول میں افراد معاشرہ کے درمیان اتحاد واتفاق ، یگانگت اور رواداری کا ماحول معاشرتی ارتقاء کے لیے ناگزیر ہوتا۔قرآن اس ارتقاء کو جاری رکھنے کے لیے معاشرے کے اندر سے ہر طرح کے تعصب کی مذمت کرتا ہے ہر طرح کے جبر واستبدا کو مردود قرار دیکر معاشرے کے انسانی حقوق کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔قرآنی افکار کی روشنی میں استوار عادلانہ نظام کی آغوش میں ہر مذہب فکر اور عقیدہ رکھنے والے امن وسلامتی کی زندگی گذار سکتے ہیں۔قرآن حکیم ان کو رواداراانہ ماحول مہیا کرتا ہے تاکہ وہ سکون اور اطمینان سے اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں اپنی مخصوص عبادت کرسکیں قرآن حکیم ان کی عبادت گاہوں کی حرمت اور حفاظت کو ضروری قرار دیتا ہے

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا (۳۶)

ترجمہ:... اور اگر اللہ اس کا انتظام نہ کرتا کہ ایک گروہ کی روک تھام دوسرے گروہ کے ذریعے ہو سکے اور وہ سرکش لوگوں کے بے لگا چھوڑ دیتا ہے کہ جو جی میں آئے کرتے چلے جائیں تو (اور چیزیں تو ایک طرف) کسی قوم کی عبادت گاہ تک بھی دنیا میں محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد جن میں خدا کانام کثرت سے لیاجاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جاچکے ہوتے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ خدائے پاک کی منشاء یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کو بعض دیگر سے دفع کرتا ہے۔جو لوگ ظلم کرتے ہیں سماجی عدل کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور لوگوں کی مذہبی آزادی چھین لیتے ہیں قوانین فطرت کے تحت خدائے پاک ان کے خلاف بعض دیگر لوگوں کو ابھارتا ہے اور وہ لوگ ان کے ظلم کی بیخ کنی کرکے سماج میں عدل، مذہبی رواداری اور نظریاتی برداشت اور تحمل کاماحول پیدا کردیتے ہیں۔اگر اللہ پاک لوگوں میں قانون دفع پیدا کرکے لوگوں پر رحم نہ کرتا اور ہمیشہ اور ابدالآباد تک ظالم، جابر، سرکش اور نظریاتی انتہا پسندوں کی حکومتیں اور بالادستی قائم رہتی تو ان کے نظریاتی جبر کی وجہ سے مختلف دیگر کمزور طبقات کی مذہبی تعلیم گاہیں، عبادت گاہیں اور مقامات مقدسہ کی عظمت ووقار پامال ہوجاتے۔ مگر یہ اللہ کارحم وکرم ہے کہ وہ معاشرے میں ہمیشہ ایک قسم کاتوازن برقرار رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں کمزور طبقات اپنے حقوق اور مذہبی آزادی سے بہرہ مند ہوتے ہیں اس آیت کریمہ میں قرآن حکیم نے ہر قوم، ہر ملت اور مسلک والوں کے مذہبی ادارے اور عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کردیا ہے۔اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے برصغیر کے ممتاز اسکالر مولانا رئیس احمد ندوی لکھتے ہیں:

"ان آیات سے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کی کیسی زبردست تعلیم ملتی ہے۔چنانچہ یہاں مسجد کاذکر فرمایا وہاں گرجاؤں (صوامع) اہل کتاب کی عبادت گاہوں (بیع)، عام عبادت گاہوں (صلواۃ) کا بھی احترام اور تقدس کے ساتھ ذکر فرمایا اور غایت درجہ کی رواداری دیکھئے کہ مسجد یعنی مسلمانوں کی عبادت گاہ کاذکر سب سے آخر میں فرمایا حالانکہ مسجد کوبڑی آسانی سے مقدم اور دوسری عبادت گاہوں کو مؤخر کیاجاسکتا ہے۔کیا اس سے بڑھ کر رواداری کی کوئی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ [illegible]

ومظلوم نہ تھے کہ دم نہ مار سکیں اب ان کے پاس قوت تھی شوکت تھی وبدبہ تھا اور وہ کفار ومشرکین کو نہ صرف کلمہ یہ بہ کلمہ جواب دے سکتے تھے۔بلکہ ان کی دراز دستیوں اور شقاوتوں کا پورا پورا بدلہ بھی لے سکتے تھے "۔(۳۷)۔

قرآن حکیم کی یہ آیت رواداری ، تحمل اور برداشت کی ایسی شعوری آگہی فراہم کرتی ہے۔جس کی اساس پر تمام مذاہب کی عبادت گاہوں ان کے مقدس مذہبی مقامات کا احترام اور غیر مسلموں کے مذہبی جذبات واحساسات کا احترام پیدا ہوتا ہے اور ایک بھرپور روادار معاشرے کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

نویں فصل:

عدل واحسان کا حکم اور ظلم وجبر کی مذمت:

قرآن حکیم انسانوں کے درمیان ہر شعبہ زندگی میں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔یعنی انسانی معاشرے میں انفرادی سطح پر باہمی لین دین میں عدل ہو اور اجتماعی سطح پر تمام انسانوں کے ساتھ عدل و احسان کا برتاؤ ہو کوئی شخص قانون اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے اور ساری مخلوق خدا امن وآشتی کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہوتا ہے:

" ان اللہ یامر بالعدل والاحسان " ۔(۳۸)۔

ترجمہ:۔ بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

قرآن کریم ایک رحیم وکریم ذات کا تصور دیتا ہے۔جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے۔وہ تمام مخلوقات سے محبت کرتا ہے ان کی تمام ضرورتوں کا خیال کرتا ہے۔لہٰذا وہ خدا ایسے افراد کو پسند نہیں کرتا ہے۔جو اس کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے جو معاشرہ انسانی میں ظلم وجبر روا رکھتے ہیں۔

قرآن کا ارشاد ہے:

" ان الله لا يظلم مثقال ذره " ۔(۳۹)۔

ترجمہ:... بے شک اللہ ذرا برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

قرآن حکیم پھر فرماتا ہے:

" وما الله يريد ظلما للعلمين " ۔(۴۰)۔

ترجمہ:... اور اللہ جہاں والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اس آیت میں غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جہاں والوں کی بات کی ہے۔یعنی اس میں تمام انسان مسلمان ، غیر مسلم ، جاندار بے جان سب شامل ہیں۔یعنی تمام جہان میں بسنے والوں کو بلا تفریق ظلم سے محفوظ رہنے کی بشارت ملی ہے۔قرآن حکیم سارے انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :

" وان الله ليس بظلا م للبعيد " ۔(۴۱)۔

ترجمہ:... اور یہ کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اب قرآن حکیم جہاں خالق کائنات کے رحم وکرم کا تصور دیا ہے وہاں ظلم کرنے والوں کی مذمت کی اور یہ درس دیا کہ وہ خدائے واحد جو معاشرہ انسانی میں کسی طرح کا بھی ظلم نہیں کرتا اور نہ ظلم کو پسند کرتا ہے۔ اس کی منشایہ ہے کہ معاشرہ انسانی میں رہنے والے جملہ انسان بھی دوسرے انسانوں پر ظلم نہ کریں۔ان سے رحم وکرم اور محبت کارویہ اپنائیں۔قرآن حکیم ان ظالموں کی مذمت کرتا ہے جو معاشرے میں انسانوں کی گردنوں کے مالک بن جانے کادعویٰ کرتے ہیں۔اور معاشرہ میں انسانوں کو ظلم واستبداد کے ذریعے دباکر رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" انه لا يحب المعتدين " ۔(۴۲)۔

ترجمہ:... بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن حکیم ظالموں کو جو معاشرے میں انسانوں کا جینا دوبھر کردیتے ہیں چاہے ان کا تعلق کسی بھی گروہ سے ہو۔ان کو ان الفاظ میں متنبہ کرتا ہے۔

" والله اعلم باالظلمين " ۔(۴۳)۔

ترجمہ:... اور اللہ ظالموں کوخوب جانتا ہے۔

پھر مزید ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔جو معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں لوگوں کے درمیان بغض و عنا پیدا کرتے ہیں فرمایا:

" واللہ یعلم المفسدین المصلح " ۔(۴۴)۔

ترجمہ:... اور اللہ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے ہر ایک کوجانتا ہے سولوگوں کے لیے (خدا کی رحمت سے) دوری ہے۔

معاشرے میں ظلم وغارت گری کابازار گرم کرنے والے ، انسانوں کوستانے والے اور ان کا استحصال کرنے والے چاہے وہ مذہب کے نام پر ہو یا دیگر تعصبات کی بنیاد پر ہوگی بڑی سخت انداز میں قرآن پاک مذمت کرتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

" لعنتہ اللہ علی الظلمین " ۔(۴۵)۔

ترجمہ:... ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

قرآن حکیم کی انسانی معاشرے سے محبت اور رحمت کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے اس نے معاشرے میں ظلم وستم کرنے والے فتنہ وفساد پھیلانے والے افراد گروہوں اور نظاموں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں سخت اور عبرتناک سزا دینے کی خبرسنائی۔ایسی سزائیں جن کے تصور سے روح کانپ جاتی ہے۔

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

انا اعتدنا للظلمین نارا احاط بھم سرا دقھا ان یستعیثو یفاترا بماء کالمھل یشری الوجوہ بئس الشراب وسیا ء ت مرتفقا "(۴۶)۔

ترجمہ:... ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے۔جس کی قناتیں ان کو گھیر ے ہونگی۔اور اگر فرمایا کرینگے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائیگی۔جو تیل کے تل چھٹ کی طرح ہوگا جوچہروں کو بھون ڈالے گا۔یہ پانی برا ہے اور یہ ٹھکانہ برا ہے۔

قرآن حکیم ظالموں کوجس انجام کی خبر سناتا ہے وہ یہ ہے:

" لهم من جهنم مها دومن فوقهم غواش وذالک بخزی الظلمین "

۔(۴۷)۔

ترجمہ:... ان کے لیے جہنم کا بچھونہ ہو گا اور ان کے اوپر بالا پوش اور ہم سرکشوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

۔

اور قرآن حکیم کھلے عام ظالموں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے عبرتناک انجام کی خبر دیتا ہے۔

" الا ان الظلمین نی عذاب مقیم " ۔(۴۸)۔

ترجمہ:... سن لو ظلم کرنے والے ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

دسویں فصل:

قرآن کا نظریہ عدل اور مذہبی رواداری:

تاریخ گواہ ہے کہ مفتوح اقوام کو جابر اور فاتح اقوام نے عدل وانصاف کا مستحق نہیں سمجھا۔ کہیں مفتوح اقوام کے مذہبی جذبات واحساسات کو پامال کیا گیا کبھی ان کے مذہبی صحایف کو جلایا گیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا گیا اور طرح طرح سے استبداری قوانین کے ذریعے معاشرے میں ان کا جینا دوبھر کیا گیا۔ مفتوح اقوام کی تمدنی، ثقافتی ترقیات کو زوال اور پستی سے ہمکنار کیا گیا۔

اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے اعلان کر دیا کہ اب کوئی انسان کسی انسان کو غلام نہیں بنا سکتا۔ کوئی قوم کسی قوم کو جبر واستبدار سے غلامی کی زنجیر میں نہیں جکڑ سکتی۔ اسلام نے آزادی، مساوات، عدل اجتماعی کی صداؤں کو دنیا کے طول وعرض میں پھیلادیا۔ اسلام کا ماخذ اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ قرآنی تعلیمات کے

مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن انسانی معاشروں کو عدل وانصاف کا گہوارہ بنا کر ان میں نظریہ توحید کی اساس پر ایک عالمگیر وحدت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ معروف دینی مفکر عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔

" دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یازمانے کے لیے مخصوص نہیں۔ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔ قرآن کی تعلیم عالمگیر اور ہمہ گیر ہے۔ جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ مشیت ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے۔ اس لیے وہ خدا کا قانون ہے۔(۴۹)۔

قرآن کریم چونکہ انسانیت کا صحیفہ ہے۔ لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر کل انسانیت کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے۔ اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو اس امر کا سختی سے پابند کرتا ہے۔ کہ جب تم کسی معاشرے میں غالب آؤ تو وہاں عدل اجتماعی کے قیام میں ذرا بھر بھی غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا اور بلا مذہبی تعصب اور عداوت کے ہر قوم کے ساتھ عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علا الا تعدلو اعدلو موا اقرب للتقوی وتقواللہ (۵۰)۔

ترجمہ:... اور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔

قرآن کریم انسانوں میں عملی مساوات قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ سماجی زندگی میں کسی طرح کے طبقات اور امتیازات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکے۔ قرآن کی درج ذیل آیت اس تصور کی اساس فراہم کرتی ہے۔

ارشاد قرآنی ہے:

" **بعضکم من بعض** "۔(۵۱)۔

ترجمہ:... تم (سب) ایک دوسرے کی جنس میں سے ہو۔

پھر ارشاد ہوا:

" **الذی خلقکم من نفس واحدۃ** "۔(۵۲)۔

ترجمہ:... جس نے تمہاری پیدائش کی ابتدا ایک جان سے کی۔

انسانی معاشرے کے اجتماعی پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں۔تو سب سے اولین شعبہ معاشیات نظر آتا ہے۔ جس کی بنیاد پر انسانوں کی ترقی کادارومدار ہے۔قرآن حکیم اجتماعی عدل کی صورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انسانی معاشرے میں معاشی طبقات کو ختم کرکے معاشی عدل وانصاف کوضروری قرار دیتا ہے۔اور سر مایہ پرستی، سرمایہ داریت کی نفی اور اسکی پر زور مذمت کرتا ہے۔قرآن اپنے معاشرے کے غیر مسلموں اور مسلمانوں دونوں کو معاشی کفالت میں پر اپر کا درجہ دیتا ہے۔تمام انسانوں کا معاشیات اور وسائل پر یکساں حق قرار دیکر یہ اعلان کرتا ہے کہ مال و دولت کی گردش چند ہاتھوں میں نہ ہو جس کی وجہ سے معاشرہ معاشی طبقات کا شکار ہو کر غریب، غیریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر۔کی صورت میں زوال کی طرف گامزن ہو جائے۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"کی لا یکون دولۃ بین الا غینیاء من کم"(۵۳) ۔

ترجمہ:... دولت کی گردش چند اغنیاء (پاتھون) میں نہیں ہونی چاہیے۔

قرآن حکیم سماجی زندگی میں انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ صبر و برداشت سے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔باہمی لین دین اور تعلقات میں اگر کسی فرد سے زیادتی ہے۔تواس پر صبر کرنے کی تلقین ہے اور اگر بدلہ لینا ہے تو اس حد تک ہو جتنا کہ آپ پر زیادتی ہوئی ہو۔کیونکہ انصاف کا تقاضا یہی ہے ۔لیکن اگر معاف کر دیا جائے تو یہ افضل قرار دیا گیا، انسانی معاشرے میں جہاں مختلف مذاہب، رنگ ونسل کے افراد رہتے ہیں۔قرآن کریم سب کے ساتھ رواداری پر مبنی رویے کا استحکام دیتا ہے۔اور انصاف کے اصولوں سے ہٹ کر کوئی بھی قدم اٹھانے کی ممانعت کرتا ہے۔قرآن میں ارشادہوتا ہے۔

وان عا قبتم فعا قبوا بمثل ما عو قبتم به والئن صبر لهو خير للصا برين(۵۴) ۔

ترجمہ:... اگر بدلہ لو تو بدلہ اسی قدر جس قدر کے تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔اور اگر صبر کرلو تو یہ بہتر ہے۔ صبر کرنے والوں کے لئے۔

"معارف القرآن میں مفتی شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ جسمانی تکلیف، پامالی، نقصان میں سب مسلمانوں کے لئے عام قانون یہی ہے کہ برابر کا بدلہ لینا جائز ہے مگر صبر کرنا افضل ہے "(۵۵)۔

قرآن حکیم معاشرے میں مساوات کا داعی ہے اور یہ مساوات کا تصور انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی اداروں تک پھیلا ہوا ہے۔ جہاں افراد معاشرہ بلا مذہبی امتیاز کے مساوات وعدل کے ثمرات سے مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم معاشرتی پہلوئوں پر انسانوں کو جو عدل مہیا کرتا ہے۔ پاکستان کے معروف مفکر اسلام حضرت علامہ محمد طاسینؒ مدلل انداز سے یوں تب-صرہ فرماتے ہیں۔

معاشرتی پہلو کے متعلق قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ معاشرے میں مساوات کی بنیاد پر معاشرتی تعلقات استوار ہوں مساوات ہی کی بنیاد پر ان کے حقوق و فرائض کا تعلین ہو اور مساوات ہی کی اساس پر ان کے باہمی معاملات طے پائیں۔ وہ رنگ، نسل، وطن، زبان، نسب اور ذات پات کی بناء پر انسانوں کے درمیان فرق مراتب کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں ٹھہراتا کہ وہ ان غیر اختیاری امور میں اپنے آپکو دوسرے سے بہتر اور فضل سمجھے۔ وہ پیدائشی طور پر کسی کو اعلیٰ اور شریف اور کسی کو ادنی اور ذلیل نہیں قرادیتا۔ اسی طرح وہ محض مال و دولت یا حسن وجمال کی بنا پر بھی کسی کو فضیلت و بڑائی نہیں دیتا۔ البتہ قرآن کریم شرافت اور نیکی کی بنیاد پر ایک انسان کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہے "(۵۶)۔

قرآن کے عدل اجتماعی کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں۔

قرآن مجید اپنے مثال معاشرے میں اپنے عدل اجتماعی کو بے حد اہمیت دیتا ہے اور وہ سب کچھ بتلاتا ہے جس سے عدل اجتماعی قائم ہو سکتا ہے۔ گویا عدل اجتماعی قرآنی معاشرے کا وہ امتیازی وصف ہے جو قرآنی معاشرے کو دوسرے معاشروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اور جس کے بغیر کوئی معاشرہ ہرگز معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ قرآن مجید کے نزدیک ایک انسان کا ہر وہ فعل اور طرز عمل حرام وناجائز قرار پاتا ہے جس سے کسی بھی انسان کا کوئی حق مجروح ہوتا ہو اگرچہ میں اسکی ذات، یا خاندان، قوم اور ملک کا کتنا ہی زیادہ فائدہ کیوں نہ ہو "(۵۷)

قرآن کریم اپنے پیروکاروں کو ہر لحظہ پابند کرتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں انصاف سے کام لیں۔ معاشرتی زندگی میں جب کبھی کسی تصفیہ کا معاملہ ہو۔ چاہے اس کے فریق مسلمان اور غیر مسلمان اور غیر مسلمان ہوں۔ عدل و احسان سے غافل نہ وہوں۔ قرآن حکیم عمومی طور پر ایسے اصول بیان کرتا ہے جنھیں اپنا کر انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

" وا ذ احکمتم بین النا س ان تحکموں با لعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ۔ (۵۸)"

ترجمہ :... اور جب تم لو گو ں میں تصیفہ کر وتو انصاف سے تصیفہ کیا کرو بے شک اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کر تا ہے وہ بہت اچھی بات ہے۔

گیارویں فصل:

قرآن حکیم اور حدت نوع انسانی:

اقوام عالم کی تا رخ کا مطا لعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ا ہو تی ہے کہ انسانی معا شرے محد ود دائرے میں بند نظر آ تے ہیں یہ دائرے جغرا فیا ئی، نسلی ولسا نی ، معا شی تک محد ود ہیں لہذا ان دائر وں کے نتیجے میں پید ا شدہ معا شر ہ بغض وعنا د ، گر وہیت ، نسلیت اور قوم پر ستی تک محد ود ہو کر رہ جا تا ہے چنا نچہ قرآن حکیم نے معا شرے کو بغض وعنا دا ور محد ود دائر وں سے نکا ل کر ہمہ گیر یت کا تصور پیش کیا اور سا رے انسانیت کو وحد ت کے اند ار پر وکر اجتما عیت کا فکر دیا۔

قرآن حکیم نے درجہ ذیل آ یا ت میں اسی تصور کو واضح کیا:

" یا ایھا النا س اتقوا ربکم الذ ی خلقکم من نفس واحد ۃ ۔ (۵۹)"

ترجمہ :... اے لو گو اپنے رب سے ڈ ر وجس نے تمہا ری پید ائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی۔

قرآن حکیم کل انسا نیت کے لئے بھلا ئی کا زریعہ ہے قرآ ن حکیم خود اپنے ما ننے والوں کو انسا نیت کی فلا ح وبہبو د اور بھلا ئی کی وجہ سے گذشتہ تمام امتوں سے بہترین قرار دیتا ہے کیو نکہ قرآنی تعلیمات معاشرے میں بکھرے ہوئے تمام طبقات اور افراد کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور معاشرے میں تمام اخلاقی گراوٹوں کا خاتمہ کرنا افراد معاشرہ کو منکرات کے ماحول سے بچا کر اعلیٰ اخلاقیات اور نیکی کا ماحول پیدا کرنا معاشرے کو سچائی کی اساس پر استوار کرنا اپنا مقصد قرار دیتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہو تا ہے:

" کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتو منون باللہ "(۱۰)۔

ترجمہ:... تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

معروف اسلامی اسکالر پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری مذکورہ آیت کو حقوق کی ادائیگی کی جدوجہد کی اساس قرار دیا اور معاشرے کو محرومی سے بچانے کے لیے جدوجہد کرنے والے افراد ہی کی دراصل اللہ تعالیٰ نے تعریف کرتے ہوئے بہترین امت کا لفظ استعمال کیا۔

ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں:

" اس پوری خرابی کا علاج صرف اور صرف اسلام کے انقلابی فلسفے میں مضمر ہے وہ یہ کہ معاشرتی زندگی کی اساس عمل ہی سے بدل دی جائے معاشرتی زندگی کی بنیاد بجائے " مطالبہ حقوق " کے تصور کے ایتائے حقوق یعنی ادائیگی فرض کے تصور پر رکھدی جائے ہر شخص اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے بجائے صرف اپنے فرض کی ادائیگی پر مامور ہو اور اس تصور کے پیچھے قانونی قوت موجود ہو۔ہر شخص اپنے مقررہ اور معینہ فرض کو ادا کرنے پر مصر ہو تو ہر ایک کا حق موجود ہو ہر شخص اپنے مقررہ اور معینہ فرض کو ادا کرنے پر مصر ہو تو ہر ایک کا حق از خودادا ہو تا رہے گا۔کیونکہ اپنے فرض کو پورا کرنا درحقیقت دوسرے کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے۔والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی اچھی تربیت کریں اولاد کا فرض ہے کہ والدین کی عزت وخدمت کریں، خاوند کا فرض ہے کہ بیوی کو حسن سلوک کے ساتھ ضروریات مہیا کرے بیوی کا فرض ہے کہ خاوند کی اطاعت کرے، چھوٹے کا فرض ہے کہ بڑے کی توقیر کرے بڑے کا فرض ہے کہ چھوٹے پر شفقت کرے، طاقتور کا فرض ہے کہ کمزور کی مدد کرے اور امیر کا فرض ہے کہ غریب کا معاشی تعطل دور کرے اس طرح معاشرے میں احترام اور اعتماد کی فضا پیدا ہوگی۔ذہنی آلودگی سے نجات ملے گی الغرض اگر ہر فرد صرف اپنے اپنے فرض کو پورا کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک دوسرے کا حق ادا نہ۔گویا اسلام جس معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے اس کے افراد دوسروں کے پاس اپنا حق مانگنے نہ جائیں بلکہ دوسروں کے پاس چل کر ان کا حق دیتے جائیں اسی معاشرے کا نام اسلامی معاشرہ ہے جس میں کسی کا دست سوال کسی کے سامنے نہ اٹھے بلکہ دست عطا اٹھے مگر کوئی سائل نہ ہو ہاتھ دینے کے لیے اٹھے مگر لینے کے لیے دامن نہ ہو اگر حقوق کی ادائیگی کا ایسا موثر نظام عمل میں لایا جائے تو یہی اسلام کا اجتماعی نصب العین کے حصول کی ضمانت ہے۔یہی ایک صورت ہے جس سے معاشرے کے تمام افراد کو محرومی سے بچایا جاسکتا ہے [illegible]

توکوئی بھی جدوجہد اسلامی نصب العین کے حصول کی جدوجہد قرار نہیں پاسکتی ایسے ہی روحانی الذہن افراد پر مشتمل قوم کا ذکر قرآن مجید مذکورہ آیت میں کرتا ہے۔(۶۱) ۔

انسانی معاشرے کے ارتقاء کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہو معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے افراد بے خوف اور بے غم زندگی گذاریں۔عدم تحفظ ، جان تلف ہونے کا خوف ، مال کے چھن جانے کا خوف ، عزت وناموس کے لیے خوف فقر وافلاس کاخوف اگر معاشرے پر طاری ہوجائے تووہ معاشرہ زندگی کے تنوع سے محروم ہوجاتا ہے۔اجتماعی طور پر پورا معاشرہ فکری جمود میں مبتلا ہوکر زوال پزیر ہوجاتا ہے۔

قرآن حکیم انسانی معاشرے میں مسلمان ہوں یا غیر مسلم کل انسانوں کو ایسے معاشرے کی طرف گامزن کرتا ہے جہاں ایسے حالات پیدا کئے جائیں نہ افراد معاشرہ کوکسی طرح کے نقصان ، محرومی اور حق تلفی کا اندیشہ لاحق ہویا اس کاخطرہ باقی رہے اس طرح افراد معاشرہ کوایسی اطمینان بخش اور پر سکون زندگی میسر آئے نہ تو انہیں کسی کی ذات سے کوئی دکھ پہنچنے کااندیشہ ہو اور نہ وہ کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنیں۔

قرآن حکیم انسانی معاشرے کو بلا رنگ ونسل ومذہب خوف اور غم سے نجات دلانا چاہتا ہے۔

ارشاد قرآنی ہے:

"فاما یا تینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون "(۶۲)۔

ترجمہ:... پھر اگر تمہارے پاس میرے طرف سے کوئی ہدایت پہنچے توجو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ایک دوسری آیت میں قرآن حکیم خوف سے امن کی بات کرتے ہوئے بھوک سے بھی امن بخشنے کی بات کرتا ہے اگر بنظر غور جائزہ لیاجائے توانسانی معاشرے کی اساس اقتصادیات پرہوتی ہے۔زندگی کا وجود بغیر اقتصادیات اور معاشیات کی خوشحالی کے قائم نہیں رہ سکتا۔لہٰذا قرآن حکیم تمام انسانوں کوچاہے اس کا دین مذہب عقیدہ کچھ بھی ہو اس کو بھوک اور خوف سے امن کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔قرآن حکیم ایک ایسے معاشرے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جہاں کوئی بھی انسان دوسرے سے کسی بھی قسم کاخوف وخطرہ محسوس نہ کرے۔چاہے وہ خطرہ عقیدہ کے تعصب کی وجہ سے جان کاہو، عبادت گاہوں کی تباہی کاہو، یاعزت نفس مجروح

کرنے کا ہو، قرآن کا مقصود یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے ہر اس عمل سے محفوظ ہو جائے جس سے اس کی جان مال عقیدہ، جذبات واحساسات، عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہو۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

" الذی اطعمهم من جوع وامنهم من خوف " ۔(۶۳)۔

ترجمہ:... تمہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔

حواشی وحوالہ جات

۱)... عبدالحمید خواجہ ،جامع الغات ، لاہور ، کوآپریٹو پرنٹنگ پریس ، ۱۹۳۵ء ، ص۲۳۱۔

۲)... امروہی نسیم ، نسیم الغات ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۵۵ء ، ص ۸۱۵۔

۳)... بشیر احمد صدیقی ، پروفیسر ، جواہر اللغات اردو ، لاہور ، کتابستان پبلشنگ کمپنی ، س ن ، ص ۳۹۷۔

۴)... امروہی نسیم ، نسیم الغات ، محولہ بالا ، ۱۹۷۰ء ، ص ۴۵۔

۵)... Encyclopaedia of britanica (micropedia ready reference,encyclopedia britanica 1974) V,10&P,400.

۶)... خلیل احمد علیم ، مقالہ سیرت عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ، اسلام آباد ، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان ، ۱۹۹۹ء ،ص ۴۹۲۔

۷)... ازہر منیر ، ڈاکٹر ، عوامی جدوجہد ، ماہنامہ، کراچی ، اگست ۱۹۹۴ء ، ص ۱۴،شمارہ ۱۸ ،جلد ۲۔

۸)... ایضاً ، ص ۲۰ ، شمارہ ۲۱۔

۹)... ایضاً ،ص ۱۴ ، شمارہ ۱۸۔

۱۰)... مبارک علی ، ڈاکٹر ، تاریخ اور مذہبی تحریکیں ، لاہور ، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸ء ، ص ۱۰۱۔

۱۱)... مبارک علی ، ڈاکٹر تاریخ کیا کہتی ہے، ایضاً ، ص ۹۰۔

۱۲)... القرآن ، ۸۶:۱۴۔

۱۳)... القرآن ، ۶:۱۲۔

۱۴)... القرآن ، ۱۰۳:۶،۱۰۲۔

۱۵)... ندوی ، رئیس احمد جعفری ، مولانا ،اسلام اور رواداری ، لاہور ادارہ ثقافت اسلامی ، ۱۹۵۵ئ، ص ۵۵۔

۱۶)... القرآن ،۲:۲۵۶۔

۱۷)... جلال الدین ، محمد بن احمد المحلی الشافعی ، تفسیر جلالین ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ، س ن ، ص ۴۰۔

۱۸)... وھبہ الزحیلی ، الدکتور ، تفسیر المنیر ، دمشق ، مطبوعہ دار الفکر ، ۱۹۹۱ء ، ص ۲۱ ، ج ۳۔

۱۹)... ایضاً ، ص ۲۳ ، ج ۳۔

۲۰)... ایضاً ، ص ۲۴ ، ج ۳۔

۲۱)... محمد شفیع ، مفتی ، معارف القرآن ، کراچی ، ادارہ المعارف ، ۱۹۶۹ ء ، ص ۵۶۱ تا ۵۶۲ ، ج ۱۔

۲۲)... القرآن ، ۳، ۷۵۔

۲۳)... القرآن ، ۲۲:۸۔

۲۴)... القرآن ، ۷۰:۲۳۔

۲۵)... القرآن ، ۵۰:۴۵۔

۲۶)... القرآن ، ۹:۶۔

۲۷)... القرآن ، ۵:۹۹۔

۲۸)... القرآن ، ۱۸:۹۲۔

۲۹)... القرآن ، ۱۵،۳۹:۱۴۔

۳۰)... القرآن ، ۱۶:۱۲۵۔

۳۱)... نعمانی شبلی ، الکلام ، اعظم گڑھ ، مطبع معارف ، ۱۳۴۱ ھ ، ص ۲۳۲۔

۳۲)... القرآن ، ۱۳:۷۔

۳۳)... القرآن ، ۳۵:۲۲۔

۳۴)... القرآن ، ۲۳ :۷۸۔

۳۵)... القرآن ، ۶:۱۰۸۔

۳۶)... القرآن، ۲۲:۴۰۔

۳۷)... ندوی ، رئیس احمد جعفری ،مولانا ، اسلام اور رواداری ، محولہ بالا ،ص۵۵۔

۳۸)... القرآن ،۱۶:۹۰۔

۳۹)... القرآن ، ۴ :۴۰۔

۴۰)... القرآن ،۳:۱۰۸۔

۴۱)... القرآن ، ۲۲:۴۰۔

۴۲)... القرآن ، ۷:۵۵۔

۴۳)... القرآن ، ۶ :۵۸۔

۴۴)... القرآن ، ۲۳:۴۱۔

۴۵)... ایضاً۔

۴۶)... القرآن ، ۱۸:۲۹۔

۴۷)... القرآن ، ۷:۴۱۔

۴۸)... القرآن ، ۴۲ :۴۲۔

۴۹)... سرور ، پروفیسر (افکار مولانا عبید اللہ سندھی) ،حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار ، لاہور،المحمود اکیڈمی،۱۹۷۶ئ،ص۲۶۸۔

۵۰)... القرآن ، ۶:۸۔

۵۱)... القرآن ، ۴:۲۵۔

۵۲)... القرآن ، ۴:۱

۵۳)... القرآن ،۷:۵۹۔

۵۴)... القرآن، ۱۲۶:۱۶۔

۵۵)... محمد شفیع ،مفتی ،معارف القرآن ،محولہ بالا ،ص ۴۲۳، ج ۵۔

۵۶)... محمد طاسین ، مولانا ، قرآن مجید اسلامی فکر کابنیادی سرچشمہ ، کوئٹہ ،جامعہ بلوچستان ، ۱۹۸۱ئ، ص ۴۵تا ۴۶، ۴۸۔

۵۷)... القرآن ، ۴ :۵۸۔

۵۸)... ایضاً۔

۵۹)... القرآن ، ۴ :۱۴۔

۶۰)... القرآن ، ۳ : ۱۱۰۔

۶۱)... طاہر القادری ، ڈاکٹر ، سیرۃ رسول ، لاہور ، منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء ، ص ۹۰تا ۹۱ ،ج ۵۔

۶۲)... القرآن ، ۲ :۳۸۔

۶۳)... القرآن ، ۱۰۶ :۴۔

...☆☆☆☆☆...